## مَوجُودہ حکمران اور نفاذِ اسلام :

ضیاء الحق کی کربناک مَوتِ شہادت کے بعد مَوجودہ حکمران، جن میں اکثر ضیاء کے عہد کے افراد ہی ہیں، انہوں نے اقتدار پر براجمان ہوتے ہی پہلا اعلان یہ کیا کہ "نفاذِ اسلام" مَوجُودہ حکومت کی ترجیحات میں پہلے نمبر پر ہے۔ لیکن صُورتحال اس سے یکسر مختلف ہے۔ حکومت نے الیکشن کو ترجیح دی ہے، نفاذِ اسلام کو ترجیح نہیں دی۔ بلکہ ہمیں تو ڈر ہے کہ کہیں نفاذِ اسلام کا وُہ عمل جو ضیاء الحق کے دَور میں ہُوا وُہ بھی سرد خانے کی نذر نہ ہو جائے —— مَوجودہ حکمران اس بات کو ہرگز نہ بھُولیں کہ پاکستان کے قیام کی اساس اسلام تھی، اَب اُس کی بقاء بھی اسلام اَور صرف اسلام ہی کے نفاذ میں مُضمر ہے بلکہ مَوجُودہ حکمرانوں کا وجُود بھی اسلام کے نفاذ سے ہی بچ سکتا ہے۔

## اِتّفاق و اِتّحاد زندہ باد !

سیاستدانوں، بیوروکریٹس اَور مَوجُودہ حکومت کی سرد مہری و منفی رَوِیّوں سے دل برداشتہ ہوکر صمیمِ قلب سے اُٹھنے والی بعض آوازوں پر اُمّت کے جیّد سربرآوردہ علماء نے لبّیک کہا اَور اللہ کے دین کی نصرت، دین کی بالادستی، دینی اقدار کی بحالی و بقاء کی دینی جنگ لڑنے کا مُتفقہ فیصلہ فرمایا اَور تمام علماء حضرت قبلہ مفتی ولی حَسن صَاحب کی شخصیت پر جمع ہوگئے اَور فیصلہ فرمایا کہ علماء **تحریکِ نفاذِ اسلام** کے مُتفقہ پلیٹ فارم سے **نفاذِ اسلام** کی عملی جدّ و جہد کا آغاز کریں گے۔

علماء کے دو وفد بنے، ایک وفد سرکاری سطح پر ہونے والی خرابیوں کا محاسبہ کریگا جبکہ دُوسرا وفد علماء کی مخاصمتوں کو دُور کرکے **اِتّفاق و اِتّحاد** کے لئے مضبُوط کوشش کریگا

**عالمی مجلسِ احرارِ اسلام**، علماءِ کرام کے اس مقدّس و مُبارک اَور مسعُود فیصلہ سے سَو فیصد متّفق ہے اَور خیر و برکت کے اِس عمل میں ان کے شانہ بشانہ ہے۔

یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰہَ وَکُوْنُوْا مَعَ الصّٰدِقِیْنَ (القرآن الحکیم)

"اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو اَور سچّوں کا ساتھ دو ——!

سیّد عطاء المحسن بخاری

مفتی محمد اسحاق صدیقی

کراچی :

# تجدیدِ شریعت

## ایک سنگین قومی مسئلہ

روزنامہ نوائے وقت ملتان، مؤرخہ ۱۹/اپریل ۱۹۸۸ء کی اشاعتِ خاص میں ایک مذاکرے کی روداد شائع ہوئی ہے جس کا اہتمام ادارۂ نوائے وقت کی طرف سے کیا گیا تھا اور جس میں مُلک کے کئی دانشور حضرات نے حصّہ لیا۔ یہ مذاکرہ ڈاکٹر محمد یُوسف گورایہ صاحب، ڈائریکٹر اوقاف کی انگریزی کتاب (ISLAMIC JURIS PRUDENCE IN THE MODERNWORLD) "دُنیائے جدید میں اسلامی اصُولِ قانون" پر ہُوا تھا۔ خود جناب مُصنّف شریکِ مذاکرہ تھے اور دُوسرے فضلاء اور دانشور حضرات نے اُن کی کتاب کے مُتعلق اپنی اپنی رائے کا اظہار کیا۔ شرکاءِ مذاکرہ میں سے ہر صاحب نے موصوف کی کتاب کی تعریف کی اور اس ضمن میں بعض اصولی مسائل پر اظہارِ خیال فرمایا۔ ان حضرات میں کوئی اختلافِ رائے نہیں ہُوا۔ اس لئے اس مذاکرے میں جو خیالات مختلف حضرات نے ظاہر فرمائے ہیں ان سب کو متفق علیہ سمجھنا چاہیے اور کسی ایک فرد کی بجائے اسے پُوری مجلسِ مذاکرہ کے خیالات و آراء شمار کرنا چاہیے۔

ڈاکٹر صاحب موصوف کی کتاب مذکور کی طرف منسوب کرکے ایک فاضل نے ارشاد فرمایا :

"خلفاءِ راشدین نے بھی قرآن اور اُسوۂ حسنہ کو سامنے رکھا لیکن کچھ دیر بعد کہ جب ملوکیت اور بادشاہت کا دور آیا اور خاص طور پر عباسیوں کے دور میں کچھ ایسے عناصر قانون کی تشکیل اور اُس کے نفاذ میں داخل ہوگئے جن کا تعلق اصل منبع سے ثابت نہیں ہوتا۔ اس میں مصلحت آمیزی اور کچھ دوسری چیزیں شامل ہوگئیں۔"

ایک دُوسرے دانشور نے یہاں تک ارشاد فرمایا :

"مسلمان فقہاء ہیں جو بڑے بڑے نام ہیں اُن کے اجتہادی کارنامے بیشتر وہ تھے جو ملوک و سلاطین کی عصری اور وقتی ضرورتوں کو پُورا کرنے کی تعبیر کا ایک حصّہ تھے۔"

ان دانشورانِ پاکستان کے مندرجہ بالا قول سے عیاں ہے کہ اُنہوں نے اسلامی تاریخ کا خالصتاً شیعی زاویۂ نظر سے مطالعہ کیا ہے۔ بلکہ شاید مطالعہ کرنے سے پہلے ہی شیعوں اور شیعیت زدہ مُصنّفوں اور مُقرروں کے بیانات سے مُتاثر ہو کر اس پر سیاہی پھیر دی۔ ائمۂ اربعہ، جن کا فقہ صدیوں سے پوری دُنیائے اسلام میں رائج ہے، اگر مخلص نہ تھے اور اگر اس فقہ میں ایسے عناصر موجود ہیں جن کا کوئی تعلق اصل منبع یعنی کتاب و سُنّت سے نہیں ہے، تو اس فقہ پر کیسے اعتماد کیا جا سکتا ہے؟ اس کے معنٰی تو یہ ہوئے کہ اُمّتِ مُسلمہ فقہ و قانون کے بارے میں بالکل تہی دست ہے۔ ان حضرات نے ہمارے ائمۂ مجتہدین اور اکابر فقہاء و مُقننین پر اس قدر سنگین الزام لگایا ہے جس کی تصدیق و تائید کوئی منصف مزاج اور باخبر غیر مُسلم بھی نہیں کر سکتا۔ الزام جس قدر افسوسناک اور سنگین ہے اُسی قدر غلط اور خلافِ واقعہ بھی ہے۔ ہمیں اپنی تاریخ خصوصاً فقہ و قانون کی تاریخ پر ناز ہے۔ تاریخ شاھد ہے اور یہ بات تواتر کے ساتھ ثابت ہے کہ ہمارے ائمۂ فقہ اور کبار فقہاء اعلیٰ درجہ کے ذہین و فطین ہونے کے ساتھ ساتھ اعلیٰ درجہ کے مخلص، حق گو اور حق پسند تھے۔ ان پر ایسے الزام لگانا چاند پر خاک ڈالنا ہے۔

## اجتہاد و تقلید کا مسئلہ:

ان حضرات کی رائے میں تقلید ایک عیب اور کُلیتہً واجبُ الترک ہے۔ جُملہ اجتماعی مسائل میں اجتہاد کرنا چاہیے۔ ہمیں اجتہاد کی ضرورت سے انکار نہیں۔ ائمۂ اربعہ کے مُقلّد علماءِ مُتبحّرین جب ضرورت ہوتی ہے تو اجتہاد سے دریغ نہیں کرتے۔ لیکن بلا ضرورت شرعی اجتہاد کرنا اور اس گراں قدر، کثیر منافع علمی خزانۂ عامّہ کو نظر انداز کر دینا، جو ہمارے ائمۂ فقہ اور اُن کے فاضل شاگردوں نے ہمارے لئے چھوڑا ہے، نہ شرعاً پسندیدہ ہے اور نہ قرینِ عقل و دانش۔ کاش! دانشور حضرات اس حقیقت کا ادراک کرتے کہ اجتماعی زندگی میں تقلید ناگزیر ہے۔ اگر علماءِ دین اور دانشوروں کے ایک گروہ نے اجتہاد کر کے کچھ قوانین تیار کئے اور حکومت نے انہیں ملک میں نافذ کر دیا تو ملک کے دوسرے علماء نیز حُکام اور جج صاحبان کو تو ان کی تقلید ہی کرنا پڑے گی۔ اگر ہر جج اور حاکم ہی اجتہاد کرے تو ملک میں افراتفری پھیل جائے اور کوئی نظم و نسق باقی نہ رہے۔ پھر جب ان سب کو تقلید کرنا ہی ہے تو حکومت کی قائم کردہ کسی مجلسِ عُلماء و دانشوران کی بجائے ائمۂ مجتہدین رحمہم اللہ کی تقلید کیوں نہ کریں؟ کوئی ایسی ضرورت درپیش ہو جائے جسے شرعاً بھی ضرورت کہا جا سکے تو عُلماءِ مُقلّدین

جہاد کو لَبَّیک کہنے میں انشاءاللہ دریغ نہ کریں گے۔ اور جب ضرورت پیش آئی ہے تو علماءِ مقلّدین نے اجتہاد کیا ہے۔

## اِجماع کے متعلق غلط فہمی:

کتاب و سُنّت کے بعد اجماع بھی ایک دلیلِ شرعی ہے۔ یہاں لفظِ "اجماع" اپنے معنوی یا عُرفی معنیٰ میں نہیں اِستعمال ہُوا ہے۔ بلکہ وُہ اسلامی فقہ کی ایک اِصطلاح ہے۔ عالَمِ اسلام کے سَب مُجتہدینِ اُمّت کا کسی حکم پر مُتّفق الرّائے ہوجانے کا نام اِجماع ہے۔ اِس کے لئے یہ بھی شرط ہے کہ اس کے لئے کوئی سَند بھی ہو۔ یعنی یہ کتاب و سُنّت کی طرف مُستند ہو۔ یہاں یہ بات ملحوظ رکھنا چاہیے کہ مسیحی مذہب میں بھی اجماع دلیلِ شرعی اور قطعی ہے۔ مسیحی علماء اور مقتداؤں کا کسی مذہبی مسئلے پر مُتّفق الرائے ہو جانا از رُوئے مسیحی مذہب اِس مسئلہ کو قطعی طور پر ثابت کرنے کے لئے کافی سمجھا جاتا ہے۔ اور اس کے ثبوت سے انکار کو کفر سمجھا جاتا ہے۔ اِسلام کے تصوُّرِ اجماع اور مسیحی تصوُّرِ اجماع میں فرق یہ ہے کہ اسلام میں عقلِ محض اور صرف رائے سے کوئی حکمِ شرعی ثابت نہیں ہوتا۔ اگر ساری دنیا کے عُلماء کسی حکم پر مُتّفق الرّائے ہو جائیں مگر اس رائے کی کتاب و سُنّت سے کوئی سند نہ ہو تو یہ اجماع قطعاً لاحاصل ہے۔ اس سے کوئی حکمِ شرعی ثابت نہیں ہو سکتا۔ اجماع کی افادیت صرف یہ ہے کہ کتاب یا سُنّت سے کوئی حکم سمجھ میں آتا ہو مگر اس کا ثبوت مشکوک یا ظنّی ہو تو اجماع اس کے ثبوت کو قطعی بنا دیتا ہے۔ مثلاً مَسح عَلَی الخُفَّین کا جواز حدیث سے ثابت ہے مگر ثبوت ظنّی ہے نیز احتمالِ نسخ بھی پیدا ہوتا تھا لیکن اس کے جواز پر اجماع ہوگیا تو حکمِ جواز قطعی ہو گیا اور نسخ و عدمِ جواز کا اِحتمال بھی باقی نہ رہا۔

ان حضرات کی رائے سے تو معلوم ہوتا ہے کہ یہ شریعتِ اسلامیہ کو بھی ملک وار تقسیم کرنا چاہتے ہیں۔ حالانکہ شریعتِ اِسلامیہ نسلی و جغرافیائی حدود و قیود سے آزاد ہے۔

یہ اجماع کا فقہی اور شرعی مفہوم ہے مگر ان دانشور حضرات نے اسے نظر انداز فرما کر اِجماع کا لُغوی مفہُوم پیشِ نظر رکھا اور اس غلط تصوّر کی بنیاد پر ایک "پاکستانی اجماع" کا اجنبی تصوّر پیش کیا ہے جس کی شریعتِ اسلامیہ میں کوئی گنجائش نہیں اور جو کسی حالت میں بھی حُجّتِ شرعی نہیں بن سکتا۔

یہاں یہ نکتہ قابلِ ذکر ہے کہ اجماعِ شرعی کا وجود درحقیقت صرف حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت

تک پایا جاتا ہے۔ اس کے بعد آج تک عملاً اس کا کوئی نام و نشان بھی نہیں ملا۔ بعض کتب فقہ میں جو بعض مسائل کے بارے میں یہ تحریر ملتی ہے کہ "اس پر اُمّت کا اجماع ہوگیا"، حالانکہ وُہ مسائل خلافتِ راشدہ کے دَورِ مذکور میں سامنے پیش آئے تھے، تو یہ محض تسامح ہے۔

اِس سے وُہ حضرات اجماعِ شرعی مُراد نہیں لیتے بلکہ علمار کی کثیر تعداد کا اس حکم کے بارے میں متفق الرائے ہونا مُراد لیتے ہیں۔ اس لئے ان عبارتوں سے کوئی غلط فہمی نہ پیدا ہونا چاہیے۔

زمانۂ مذکور کے بعد اجماع کا کوئی وجود نہیں ہوا اور نہ اَب عادتاً ممکن ہے۔ اس کے حصول کی کوشش بھی اَز رُوئے شریعت قطعاً غیر ضروری بلکہ سعی لاحاصل ہونے کی وجہ سے فعلِ عبث اور نامناسب ہے۔

ان بزرگانِ قوم کو حصولِ اجماع کی جو فکر لاحق ہوگئی ہے انہیں اس کا بار اپنے ذہن سے دُور کرنا چاہیے۔ اجماع حاصل نہ ہونے سے ہمارا کوئی دینی یا دُنیوی نقصان نہیں ہے اس لئے اس کے حصُول کی فکر و کوشش ترک کر دینا چاہیے۔

## نفاذِ فقہ کا مسئلہ :

شریکِ مذاکرہ دانشور حضرات نے پاکستان میں نفاذِ شریعت کے مسئلہ کو بھی چھیڑا۔ اِس سلسلہ میں یُوں اِرشاد فرمایا :

۱ : "پاکستان کے پبلک لاز میں جو اختلاف و امتیاز ہے وُہ اصُولاً غلط ہے۔ اس کے ساتھ ہی مَیں اِس حق میں نہیں ہوں کہ اکثریت کی فقہ کو تمام شہریوں پر نافذ کر دیا جائے۔ ابھی حال ہی میں یہ مطالبہ ہوا کہ چُونکہ پاکستان میں اکثریت فقہ حنفی کے ماننے والوں کی ہے لٰہذا ہمارے تمام پبلک لاز حنفی فقہ کے مطابق ہونے چاہییں۔ ہمارے ہمسایہ ملک میں غالباً انہوں نے ایک فقہ کا نفاذ کیا ہے لیکن ہمارے یہاں حالت کچھ ایسی ہے کہ تعداد خواہ کچھ ہی ہو مَیں اس بحث میں نہیں جانا چاہتا کیونکہ مختلف دعوے کئے جا سکتے ہیں۔ مختلف مسلمان فرقے اور دُوسرے مذہبوں کے لوگ آباد ہیں۔ ان سب پر ایک فرقے کی فقہ لاگو نہیں ہوسکتی۔"

۲ : "چُونکہ تمام فقہوں کے پیروکاروں نے متفق ہوکر قائدِ اعظم کی قیادت میں پاکستان کے لئے قربانیاں دیں اور اسے قائم کیا۔ لٰہذا مَیں اس رائے سے متفق نہیں ہوں کہ محض اس بناء پر

کہ چونکہ پاکستان میں اکثریت فقہ حنفی کی ہے لہٰذا ہم دوسروں لوگوں کے احساسات یا ان کے جذبات کو رد کرتے ہوئے ایسے پبلک لاز نافذ کریں جن سے ان کی دل شکنی ہو یا وہ ان کو دل سے نہ قبول کریں تو پھر اسلامائزیشن کا جو عمل ہے وہ ہمارے اندر اتحاد و یگانگت پیدا کرنے کی بجائے افتراق اور نفرت کو استوار کرے گا۔"

یہ مذاکرہ میں حصّہ لینے والے ایک دانشور کی تقریر ہے جسے دُوسرے شرکاءِ مذاکرہ کی تائید حاصل ہے۔ زورِ خطابت اور اسلوبِ بیان پر نظر کیجئے تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ماحصل مذاکرہ یہی مضمون ہے۔ اس مجلس کا حاصل جو غالباً مقصودِ مذاکرہ تھا، اس طرح بیان فرمایا گیا :

۴ : " پاکستان میں ہم شریعت کے نفاذ کو قابلِ عمل بنانے کے لئے ایک مشترکہ فقہ وضع کرنے کی کوشش کیوں نہ کریں"......

۴ " آج تک خوش قسمتی سے یہ الزام نہیں لگایا گیا کہ جو پانچ فقہیں ہیں ان میں سے کوئی بھی غیر اسلامی یا غیر شرعی ہے"......

پھر اور صفائی سے ارشاد ہے :

۵ : " کیونکہ ہمارے اُوپر کوئی پابندی نہیں ہے کہ ہم حنفی ہوتے ہوئے فقہ جعفری یا حنبلی یا شافعی یا مالکی کی کوئی چیز اخذ نہ کرسکیں ، اسی طرح فقہ جعفریہ کے جو معقول حضرات ہیں اگر حنفی فقہ میں کوئی چیز زیادہ معتبر اور قرآن و سُنّت کے مطابق ہے تو وہ اُسے قبول کریں"

اندازِ بیان غمّاز ہے کہ انعقادِ مذاکرہ کی غرض و غایت اِس چیز کی تبلیغ تھی کہ اہلِ سُنّت، فقہ اسلامی میں نام نہاد فقہ جعفری کی پیوند کاری منظور کر لیں۔

## تبصرہ :

شرکاءِ مذاکرہ دانشور حضرات کے جو اقوال و آراء میں نے اُوپر نقل کی ہیں انہیں سہولت فہم کے لئے چند حصّوں میں تقسیم کرکے ہر حصے پر نمبر ڈال دیئے ہیں تاکہ تبصرہ میں پُوری عبارت نقل کرنے کی ضرورت نہ رہے اور اختصار سے ساتھ اشارہ کافی ہو جائے۔ اَب ہم نمبر وار ان پر گفتگو کرتے ہیں :

۱ــــ جمہوریت کے حامی دانشور صاحب نے اس جمہوری قاعدے کو تسلیم کرنے سے انکار کر دیا کہ اکثریت کا فقہ نافذ کیا جائے۔ مَوصوف نے یہ بھی تسلیم کیا کہ ایران میں حکومت نے شیعوں کی اکثریت کا دعویٰ کرکے

شیعی فقہ نافذ کیا ہے۔ مگر یہ کہہ کر "میں اس بحث میں نہیں جانا چاہتا"، اس دلیل کو ردّی کی ٹوکری میں پھینک دیا۔ میں ان دانشور صاحب سے یہ پوچھتا ہوں کہ پھر کیا اقلیت کا فقہ نافذ کرنا قرینِ عدل و انصاف اور جمہوریت و اسلامیت کا تقاضا ہوگا؟ یہ دانشور صاحب خود کہتے ہیں کہ اس ملک میں "مختلف مسلمان فرقے اور دوسرے مذہبوں کے لوگ آباد ہیں"۔ تو پھر کیا ہر فرقہ کا فقہ نافذ کرنا چاہیئے؟ ایسے ملک میں جہاں متعدد فرقے آباد ہوں۔ نظامِ حکومت قائم ہونے کی عقلاً دو ہی صورتیں ہو سکتی ہیں۔

پہلی صورت یہ ہے کہ کوئی مذہبی قانون نافذ ہی نہ کیا جائے اور نظامِ حکومت سیکولر ہو۔

دوسری صورت یہ ہے کہ اکثریت کی شریعت اور اُس کے فقہ کو نافذ کیا جائے، اقلیتوں کا "پرسنل لاء" محفوظ رہے۔ لیکن "پبلک لاء" اکثریت کے فقہ کی بنیاد پر نافذ کیا جائے۔

کسی اقلیت کا فقہ نافذ کرنا یا اکثریت کے فقہ میں اس کی پیوندکاری کرنا، اکثریت کی حق تلفی، اُس پر ظلم اور اصولِ جمہوریت کے بالکل منافی ہے۔ اس کے علاوہ اصولِ حکمرانی کے خلاف اور سیاسی و انتظامی سفاہت بھی ہے۔

موصوف کی یہ دلیل کہ "پاکستان میں مختلف مسلمان فرقے اور دوسرے مذہبوں کے لوگ آباد ہیں ان سب پر ایک فرقے کی فقہ لاگو نہیں ہو سکتی"، بہت ہی کمزور اور بے جان ہے۔ اگر اس استدلال کو صحیح مان لیا جائے تو اس کے معنی یہ ہوں گے کہ پبلک لاء میں ہر مدعی اسلام فرقے اور ہر مذہب کا فقہ شامل کیا جائے۔ اقلیتوں میں یہاں صرف "شیعہ اثنا عشری" ہی نہیں ہیں بلکہ "آغا خانی" شیعہ، "داؤدی" شیعہ، ان کے علاوہ "ذکری"، "مہدوی" وغیرہ بھی آباد ہیں جو مسلمان ہونے کے مدعی ہیں۔ پھر ان سب کی فقہ کو شامل کرنا چاہیئے یہی نہیں بلکہ موصوف کی دلیل سے تو یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ "ہندو دھرم شاستر" اور "یہودی تالمود"، نیز "مسیحی" و "بہائی" فقہ کو بھی شامل کرکے "اکبر کے دینِ الٰہی" کی طرح "معجونِ مرکب" تیار کیا جانا چاہیئے۔ یہ مرکب جو کچھ بھی ہو مگر اسلامی قانون نہیں ہو سکتا۔ آخر یہ شیعہ اثنا عشری ہی کی کیا خصوصیت ہے کہ ان کا نام نہاد فقہ "اسلامی فقہ" قرار دیا جائے اور پبلک لاء کا جزو بنایا جائے؟

۲ ــــ دانشور حضرات کی یہ دلیل بھی عجیب و غریب ہے کہ چونکہ پاکستان بنانے میں سب فقہوں کی پیروی کرنے والے شریک رہے ہیں اس لئے ہر ایک کا فقہ نافذ ہونا چاہیئے تو گزارش ہے کہ پاکستان بنانے میں ذکری، مرزائی، آغا خانی، بلکہ مسیحی اور یہود بھی شریک رہے ہیں تو کیا ان سب کو اس کا حق ہے کہ اپنے اپنے فقہ نافذ

کرنے کا مطالبہ کریں ؟ اگر نہیں تو اثنا عشریوں کی کیا خصوصیت ہے ؟ اور نام نہاد فقہ جعفری کی رعایت کیوں کی جائے ؟

ان حضرات کی دلیل مذکور کی کمزوری ظاہر کرنے کے بعد ان کی اور ان کے ہمخیال حضرات کی خدمت میں گزارش ہے کہ آپ نے اپنے رہوار دلیل کی جولانی کے لئے میدان محدود اور تنگ کر دیا۔ اس رہوار کو ذرا وسیع تر میدان میں جولاں کیجئے پھر دیکھئے کہ یہ کس منزل تک پہنچاتا ہے۔ اس سوال پر غور کرنے کی ضرورت ہے کہ اس خطے کو پاکستان یعنی مسلم اسٹیٹ کیوں بنایا گیا ؟ برصغیر کے کسی دوسرے حصے کو یہ شرف کیوں نہ ملا ؟ وجہ ظاہر ہے کہ اس خطے میں مسلمانوں کی اکثریت تھی اس لئے اسے پاکستان بنایا گیا مگر اکثریت کس کی تھی ؟ یہ کثرت صرف اہلِ سُنّت کی تھی، جس کی وجہ سے پاکستان قائم ہوا اور جس کی وجہ سے باقی ہے۔ اہلِ سُنّت ہی قیامِ پاکستان نیز اس کی بقاء کا اصل سبب ہیں اس لئے ان دانشوروں کی دلیلِ مذکور سے بھی یہی ثابت ہوتا ہے کہ یہاں صرف سُنّی فقہ نافذ ہونا چاہیے، فقہ جعفریہ وغیرہ نہیں شیعہ یا اور کسی مذہب کے فقہ کی کوئی گنجائش نہیں اور اہلِ سُنّت کے سوا کسی گروہ کو یہ حق نہیں پہنچتا کہ وہ ایسے فقہ کے نفاذ یا سُنّی فقہ میں اس کی آمیزش یا کسی رعایت کا مطالبہ کرے۔

دلیل مذکور کو سامنے رکھ کر ذرا نظر کو اور وسیع کیجئے، پنجاب، سندھ، سرحد، بلوچستان، یہ سب خطے ایک زمانہ میں کفرستان تھے انہیں اسلامستان کس نے بنایا ؟ یہاں اسلام کس نے پھیلایا ؟ وہ فاتح کون تھے جنہوں نے اپنی شمشیر خارا شگاف سے کفر کے حصاروں کو توڑ کر اسلام کی روشنی اس ملک میں پہنچائی؟ یہ داعی الی اللہ کون تھے جنہوں نے ایمان و اسلام کے آبِ حیات سے یہاں کے مُردہ دلوں کو نئی زندگی بخشی؟ یہ بدیہی اور مسلّمہ حقیقت ہے جس کا انکار نہیں ہو سکتا کہ وہ سب سُنّی تھے۔ وہ دینِ اسلام اور ملّتِ اہلِ سُنّت کے متبع اور اسی کی طرف داعی تھے۔ آفتاب سے زیادہ روشن یہ حقیقت ہے کہ پاکستان کے بانی اور اسے قائم کرنے والے اہلِ سُنّت اور صرف اہلِ سُنّت تھے اگر ان کی مساعی نہ ہوتیں تو پاکستان کا تصوّر تو کیا وسوسہ بھی نہیں پیدا ہو سکتا تھا۔ اس لئے انہیں کا مسلک اور فقہ اس سرزمین پر نافذ ہو سکتا ہے۔ تاریخ کی اس بدیہی حقیقت کو بھی سامنے لانا مناسب معلوم ہوتا ہے کہ تبلیغِ اسلام میں تو شیعوں کا ذرّہ برابر بھی حصّہ نہیں ہے لیکن جب یہاں اسلام پھیل گیا اور مسلمانوں کی کثرت ہو گئی تو شیعہ باغیہ اثنا عشریہ وغیرہ نے آ کر الحاد و زندقہ پھیلانے کی کوشش کی اور دین سے ناواقف نو مسلموں کی ایک معتدبہ تعداد کو اسلام سے پھیر کر کفر کی طرف واپس لے آئے اور طرح طرح کی فریب کاریوں سے بہتوں کو مرتد بنایا۔

## فقہ جعفری اسلامی فقہ نہیں :

۴ ایک دانشور نے اس مذاکرے میں یہ دعویٰ فرمایا ہے کہ بقول ان کے "جو پانچ معروف فقہیں ہیں ان میں سے کسی کو بھی کسی نے غیر اسلامی یا غیر شرعی نہیں کہا ہے۔"

جہاں تک فقہ حنفی، مالکی، شافعی اور حنبلی کا تعلق ہے، تو بیشک یہ سب اسلامی فقہ اور شریعت اسلامیہ کی صحیح تعبیر ہیں لیکن فقہ جعفری کو اسلامی فقہ کہنا بالکل غلط ہے۔ یہ نام نہاد فقہ قطعاً غیر اسلامی اور غیر شرعی ہے نیز یہ معروف بھی نہیں ہے۔ اسے اہل اسلام یعنی اہلِ سُنّت نے کبھی اسلامی فقہ تسلیم نہیں کیا۔ شرق سے غرب اور شمال سے جنوب تک دُنیائے اسلام میں جستجو کریجئے ایک سُنّی بھی آپ کو جعفری یا باقری نہیں ملے گا جبکہ حنفی، مالکی، شافعی، حنبلی مسلک رکھنے والے ساری دُنیا میں کروڑوں کی تعداد میں موجود ہیں۔

مشہور ظالم و جابر ایرانی شیعہ بادشاہ نادر شاہ نے اپنے زمانہ میں ایران کے اہلِ سُنّت سے فقہ جعفری کو قبول کرنے اور اس پر عمل کرنے پر ہر چند اصرار کیا مگر اہلِ سُنّت نے جان و آبرو کے خطرات برداشت کرکے اس کے حکم پر عمل کرنے سے صاف انکار کر دیا اور فقہ جعفری کو اسلامی فقہ کہنے اور اس پر عمل کرنے پر کسی طرح تیار نہ ہوئے۔ یہ امتیاز تو صرف پاکستان کی شیعہ نوازی ہی کو حاصل ہوا کہ اس کے بعض سُنّی نما شیعہ اور شیعیت نواز اربابِ حل و عقد نے اسے اسلامی فقہ اور اسلامی شریعت کی تعبیر کہہ کر متعارف کرانے کی ناکام و لاحاصل کوشش کی۔ اگر ان سُنّی حضرات کو نام نہاد فقہ جعفری کے اسلامی ہونے کا احتمال اور شبہ بھی ہوتا تو غالباً اس شدت کے ساتھ اسے قبول کرنے سے انکار نہ کرتے۔ لیکن وُہ قطعی طور پر سمجھتے تھے کہ یہ شیعی فقہ ہے، یہ اسلامی فقہ نہیں ہے اور نہ ہو سکتی ہے۔

یہ بات بہت افسوسناک ہے کہ ان دانشور حضرات نے نام نہاد فقہ جعفری کا مطالعہ کئے بغیر فقہ اسلامی میں اسکی پیوندکاری کی سفارش فرمادی اور اسے اسلامی کہنے لگے۔ حالانکہ جمہور اہلِ سُنّت اسے قطعاً غیر اسلامی بلکہ مخالف و منافی اسلام جانتے ہیں۔

## فقہ جعفری کی حقیقت :

جناب جعفر صادق رحمۃ اللہ کا نہ کوئی مخصوص فقہ تھا نہ اس کی کوئی تدوین ہوئی۔ نام نہاد فقہ جعفری سے

اُدنیٰ تعلق بھی نہیں۔ یہ تو اُن کی وفات سے صدیوں بعد وضع کیا گیا ہے۔ ممتاز شیعی عالم علامہ یعقوب کلینی اور اُن کے رُفقاء کا وضع کردہ خود ساختہ فقہ ہے۔ جناب جعفر صادق رح اس سے بالکل بری ہیں۔ شیعوں کی مشہور اور اُن کی معتمد کتاب الکافی کے دو حصے ہیں۔ "اصُول کافی" اور "فروع کافی"۔ یہ دونوں یعقوب کلینی کی طبع زاد تصنیفیں ہیں۔ نام نہاد فقہ جعفری انہیں دونوں کے مضمُون سے عبارت ہے۔ اور یہی دونوں کتابیں (بلکہ ایک کتاب کے یہ دونوں حصے) اِس نام نہاد فقہ کا خزینہ ہیں۔ اِن دونوں کو اگر خورد بین سے دیکھا جائے تو بھی شاید ہی ان میں کوئی روایت یا کوئی فتویٰ ایسا ملے جس کا انتساب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف کیا گیا ہو۔ ان میں سب روایتیں اور سب مسائل جناب جعفر صادق رح یا شیعوں کے دوسرے مزعُومہ ائمہ کی طرف منسوب کئے گئے ہیں بلکہ ان کی اکثر و اغلب تعداد کی انتہا صرف جناب جعفر صادق رح پر ہوتی ہے اور وہ حسب شیعہ عقیدہ احکامِ شرعیہ براہِ راست اللہ تعالیٰ سے حاصل کرتے ہیں۔ رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے واسطے کی انہیں ضرورت نہیں ہوتی کیونکہ شیعہ عقیدہ یہ ہے کہ ائمہ کا مرتبہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے برابر ہے اور ان پر بھی براہِ راست اللہ تعالیٰ سے احکام نازل ہوتے ہیں (العیاذ باللہ تعالیٰ)۔

اصول کافی کتاب الحجۃ ج : ا میں یہ روایت ملاحظہ ہو :

عن محمد بن مسلم قالَ سمعت اباعبدالله علیہ السلام یقول الائمۃ بمنزلۃ رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم الا انهم لیسوا بانبیاء و لا یحل لهم منَ النساء ما یحل للنبی صلی اللہ علیہ وسلم فاما ماخلا ذلك فهم فیه بمنزلۃ رسُول الله صلی الله علیه وسلم۔

محمد بن مسلم سے روایت ہے کہ مَیں نے سُنا ابو عبداللہ علیہ السلام (یعنی جناب جعفر صادق رح) کو یہ کہتے ہوئے کہ ائمہ کا مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے برابر ہے مگر یہ کہ وہ انبیاء نہیں ہیں اور اُن کے لئے اتنی عورتوں سے نکاح جائز نہیں جتنی عورتوں سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے جائز تھا مگر ان کے علاوہ دوسرے امور میں ان کا درجہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے برابر ہے۔ (العیاذ باللہ)

شیعوں کی اس قسم کی روایتیں اُور بھی ہیں۔ بخوفِ طوالت ہم نے سب روایتیں نقل نہیں کیں۔ یہی شیعوں کا مذہب اُور اُن کا ایک بُنیادی عقیدہ ہے۔ یہ عقیدہ اسلامی عقیدۂ ختمِ نبوّت کے بالکل منافی اُور اس سے متصادم ہے اُور اہلِ اسلام یعنی اہلِ سُنّت کے نزدیک یہ کھُلا ہُوا کفر ہے۔

شیعوں کے اس عقیدے پر نظر کرنے کے بعد ہر شخص سمجھ سکتا ہے کہ "اصول کافی اور فروع کافی" میں جناب جعفر صادقؒ یا شیعوں کے دیگر مزعومہ ائمہ کی طرف نسبت کرکے جو منقول ہے اسے کتاب و سُنّت سے کوئی تعلق نہیں۔ وہ فقہ جعفری نہیں بلکہ درحقیقت شیعوں کی خانہ ساز مستقل شریعت ہے جو کلینی وغیرہ نے شریعتِ محمدّیہ علیٰ صاحبہا الف الف تحیہ کے مقابلے میں وضع کی ہے۔ جناب جعفر صادقؒ کو اس سے کوئی کوئی بھی تعلق نہیں۔ ان کے ذہن میں اس کا کبھی وسوسہ بھی نہ آیا ہو گا۔ موضوعہ روایات اور خانہ ساز یا مسترقہ مسائل و احکام کے جس مجموعہ کو آج فقہ جعفری کے نام سے متعارف کرایا جارہا ہے اس کی حقیقت یہ ہے کہ وہ شریعتِ شیعیہ ہے جو شریعتِ محمد یہ علیٰ صاحبہا الف الف تحیّۃ کے خلاف بغاوت ہے۔ اگر حکومت اس کے کسی جُزو کا نفاذ کرتی ہے تو وُہ شریعتِ اسلامیہ مقدسہ کے خلاف بغاوت کے گناہِ عظیم میں شرکت کرتی ہے۔ والعیاذ باللہ!

جہاں تک شخصی قانون (پرسنل لاء) کا تعلق ہے تو جملہ مذہبی گروہوں کو اپنی اپنی شریعت پر عمل کرنے کی اجازت ہونی چاہیئے لیکن قانونِ عام میں صرف شریعتِ محمدّیہ علیٰ صاحبہا الف من التحیہ ہی پر عمل ہونا چاہیئے۔ کسی دوسری شریعت اور کسی دُوسری فقہ کا سایہ بھی اس پر نہ پڑنا چاہیے۔ اہلِ سُنّت میں اگر غیرتِ ایمانی کا تھوڑا سا بھی حصّہ باقی ہے تو وُہ فقہ اسلامی میں فقہ جعفری کی پیوند کاری کسی قیمت پر گوارا نہیں کرسکتے۔

اِن دانشور حضرات نے اس بُنیادی اصولِ فقہ کو اپنی بحث اور اپنے غور و فکر کا بنیادی اصول بتایا ہے کہ:

"قرآن حکیم اُور اُسوۂ حسنہ اسلامی قانون کے ماخذِ اصلیہ ہیں" .......

.. اصول جزوِ ایمان اور اس کی صداقت وصحت میں کسی مسلمان کو کلام کی گنجائش نہیں ہوسکتی۔ یہ اسلامی فقہ کا اساسی اصل اور اس کا جُزوِ اعظم ہے۔ اس اصول کو مستحضر فرما کر ذرا یہ دانشور حضرات اُور اُن کے ہم نوا نام نہاد فقہ جعفری پر نظر کریں گے تو اُن پر یہ ناخوشگوار حقیقت منکشف ہوگی کہ اس نام نہاد فقہ کی بنیاد اور اَساس اس اصول کی نفی اور اس کی حقانیت سے اِنکار پر قائم ہے۔ ظاہر ہے کہ احکامِ عملیہ کی اساس عقائد ہوتے ہیں۔ شیعہ اثنا عشری قرآن مجید پر ایمان نہیں رکھتے۔ صحابۂ کرامؓ کو معاذاللہ منافق کہنے اور اُن سے عداوت رکھنے کی وجہ سے ہماری

احادیثِ صحیحہ کے کلیۃً منکر ہیں۔ اس کے بعد فقہ جعفری کے اسلامی ہونے کی کیا صورت ہے؟ اسے اسلامی کہنا اسلام کی توہین اور اس کے مفہوم میں تحریف ہے جو بلاشبہ سخت گمراہی اور معصیت ہے۔ شیعوں کا ایمان قرآن مجید پر نہیں ہے اور نہ ہو سکتا ہے اور (معاذاللہ) تحریفِ قرآن کا عقیدہ شیعہ مذہب کا ایک بنیادی عقیدہ ہے اور اس کی اہمیت ان کے نزدیک اتنی زیادہ ہے کہ ایک مشہور و معروف اور شیعوں کے مقتدا علامہ حسین ابن تقی النوری طبرسی نے اس موضوع پر ایک مستقل کتاب لکھی ہے جس کا نام ہے: "فصل الخطاب فی اثبات تحریف کتاب ربّ الارباب"۔ اس میں انہوں نے شیعی احادیث اور اقوالِ ائمہ مزعومہ کے انبار لگا کر یہ ثابت کیا ہے کہ از روئے مذہبِ شیعہ اثنا عشریہ قرآن مجید میں (معاذاللہ) تحریف ہوئی ہے اور موجودہ قرآن (معاذاللہ) قابلِ اعتبار و اعتماد نہیں۔

اس مضمون میں پوری تفصیل تو نہیں لکھی جا سکتی البتہ چند سطریں نقل کرتے ہیں جو اثباتِ مدعیٰ کے لئے کافی وافی ہیں اور ان سے یہ بات خوب واضح ہو جاتی ہے کہ شیعوں کا عقیدہ قرآن مجید کے بارے میں کیا ہے؟ نیز یہ کہ قرآن مجید پر ان کا ایمان قطعاً نہیں ہے بلکہ وہ اس کے دشمن اور مخالف ہیں۔ علامہ طبرسی کتاب مذکور میں لکھتے ہیں:

الامر الرابع ذکر اخبار خاصۃ فیہا دلالۃ أو إشارۃ علی کون القران کالتوراۃ و الانجیل فی وقوع التحریف و التغییر فیہ و رکوب المنافقین الذین استولوا علی الامۃ طریقۃ بنی اسرائیل فیہما و ہی حجۃ مستقلۃ لاثبات المطلوب. (اھ)

فصل الخطاب ص: ۷، طبع ایران ۱۲۹۸ء

"اور چوتھی بات ان روایات کا تذکرہ ہے جو صراحۃً یا اشارۃً یہ ظاہر کرتی ہیں کہ تحریف اور تغیرّ و تبدّل واقع ہونے میں قرآن بھی تورات و انجیل ہی کے مماثل ہے اور جن سے معلوم ہوتا ہے کہ جو منافقین اُمّت پر غالب آ گئے تھے اور اُن کے حاکم بن بیٹھے تھے انہوں نے وُہی طریقہ اختیار کیا جسے بنی اسرائیل نے اختیار کر کے تورات و انجیل میں تحریف کی تھی۔ اور یہ ہمارے دعویٰ (تحریفِ قرآن) کی مستقل دلیل ہے"!

وہ سُنّی حضرات جو اس غلط فہمی میں مبتلا ہیں کہ نام نہاد فقہ جعفری بھی کوئی اِسلامی فقہ ہے یا اسے حنفی، مالکی وغیرہ سُنّی فقہ کے پہلو میں جگہ دیتے ہیں، غور کریں کہ جس فقہ کی بُنیاد قرآن مجید میں مَعاذَاللہ تحریف کا باطل اَور سراپا کفر و ضلال عقیدہ ہو، کیا اسے اِسلامی کہنا خود اِسلام سے اَپنی بے تعلقی کا اظہار نہیں ہے؟ کیا ایسا فقہ اسلام یا اِسلامی ہو سکتا ہے؟۔ یہ بات بالکل واضح ہے کہ فقہ جعفری قطعاً اِسلامی نہیں ہے۔

اِس نداکرے میں ایک بزرگ نے بڑی سادگی سے ارشاد فرمایا:

"حالانکہ صرف ایک خلافت و امامت کے مسئلے کے سوا شیعہ فقہ ہر مسئلے میں یا حنفی فقہ سے ملتی ہوگی یا شافعی سے یا حنبلی یا مالکی سے"۔ ........ اھ

گزارش یہ ہے کہ جب آپ کے بقول "شیعہ فقہ" کے مسائل اہلِ سُنّت کے کسی نہ کسی فقہ سے ہم آہنگ ہو جاتے ہیں تو فقہِ اسلامی میں نام نہاد فقہِ جعفری کی پیوند کاری کی ضرورت ہی کیا باقی رہتی ہے؟ اور شیعوں کو اسلامی فقہ میں اس اجنبی چیز کی آمیزش پر کیوں اِصرار ہے؟ کیونکہ وُہ عبادات وغیرہ انفرادی اَعمال کو چھوڑ کر اجتماعی اَور عام قوانین میں تو وُہ کسی نہ کسی سُنّی فقہ پر عمل کرتے ہی ہیں جیسا کہ آپ کے قول سے لازم آتا ہے۔ پھر اس میں ان کا کیا حرج ہے کہ فقہِ حنفی نافذ کیا جائے اَور قانونِ عام کی تعمیل کرتے رہیں جیسے اس وقت پاکستان وغیرہ میں ملکی قوانین کی تعمیل کرتے ہیں پاکستان ایک سُنّی ملک ہے۔ اس میں سُنّی فقہ ہی کا نفاذ ہو سکتا ہے۔ مُسلمان قطعاً اسے گوارا نہیں کر سکتے کہ نام نہاد فقہ جعفری یا اس قسم کے کسی غیر اسلامی فقہ کی اس میں پیوند کاری کی جائے۔

شیعہ قطعاً دائرۂ اِسلام سے خارج ہیں۔ ان کی فقہ کی بُنیاد کتاب و سُنّت کے اِنکار پر ہے۔ اسے اِسلامی فقہ کے ساتھ منسلک نہیں کیا جا سکتا کہ جس کی بنیاد کتاب و سُنّت پر ایمان و یقین کے ساتھ قائم ہے۔ اِسلام میں کُفر کی آمیزش نہیں کی جا سکتی۔

اِن دانشور حضرات کا فرض تھا کہ نفاذِ فقہ کے مسئلے پر اَپنی رائے قائم کرنے سے پہلے نام نہاد فقہ جعفری کا مطالعہ کرتے۔ اگر وُہ "اصول کافی" ہی کو دیکھ لیتے تو انہیں معلوم ہو جاتا کہ اس میں معاذاللہ تحریفِ قرآن کی کتنی روایتیں ہیں جن کی صحت و صداقت پر شیعہ ایمان رکھتے ہیں۔ ان روایتوں سے یہ بات بالکل عیاں ہے کہ شیعوں کا ایمان قرآن مجید پر نہیں ہے لیکن اس سے قطع نظر یہ بات تو ان دانشوروں کے مشاہدہ میں آئی ہوگی کہ شیعوں کا حکم بھی الگ ہے اور ان کی نماز، زکوٰۃ، ان کا روزہ اور حج سب اہلِ سُنّت سے جُدا ہیں۔ کسی چیز میں بھی وحدت و یگانگت نہیں۔ اس کے باوجود ان حضرات کا شیعہ سُنّی اختلافات کو نظر انداز کرنا اور نام نہاد فقہِ جعفری کی

فقہِ اسلامی میں پیوندکاری کرنے کی خواہش کرنا کس قدر افسوسناک ہے۔

امامت کے مسئلے میں شیعہ سُنّی اختلاف کا اقرار تو ان دانشوروں کو بھی کرنا پڑا۔ میں عرض کرتا ہوں کہ کیا یہ اختلاف کچھ کم ہے؟ میں واضح کر چکا ہوں کہ شیعوں کا عقیدۂ امامت عقیدۂ ختمِ نبوّت کے خلاف اور اس کے انکار کو مستلزم ہے۔ اور لزوم بھی بالکل ظاہر ہے۔ بلکہ عقیدۂ امامت درحقیقت ختمِ نبوّت کے انکار ہی کیلئے وضع کیا گیا تھا۔ کیا عقیدۂ ختمِ نبوّت کا انکار کفر نہیں؟ پھر کیا شیعہ سُنّی اختلاف کفر و اسلام کا اختلاف نہیں؟ اور کیا یہ معمولی اور خفیف اختلاف ہے؟ اگر یہ اختلاف بھی خفیف ہے تو شدید اور بنیادی اختلاف کسے کہتے ہیں؟ پھر قادیانیوں کے ساتھ اس اختلاف کو آپ بنیادی اور شدید اختلاف کیوں کہتے ہیں؟۔

## سُنّت کی تعبیرِ نَو :

ایک دانشور نے ڈاکٹر گورایہ صاحب کی کتاب مذکور پر تبصرہ کے دوران اس کے حوالے سے ارشاد فرمایا :

" اگلے ابواب سُنّت کے تصوّر کی تعبیرِ نَو کو بیان کرتے ہیں۔ ص : ۸۷ پر سُنّت کی تعریف یہ کی گئی ہے :

" یہ ایک نمونۂ عمل ہے اور مثالی اُسوۂ حسنہ ہے۔" ....

ڈاکٹر گورایہ ص : ۹۲ پر سُنّت کی مزید تشریح میں لکھتے ہیں :

" مندرجہ بالا تاریخی شہادتوں کی روشنی میں یقینی طور پر ایک اخلاقی، مثالی نمونۂ عمل اور ایک مسلّمہ معیاری اُسوۂ حسنہ موجود تھا جسے رسُولِ اکرم نے اُمّتِ مُسلمہ میں متعارف کرایا تھا جو قدیم عرب کے معیارِ اخلاق سے واضح طور پر متمیز تھا۔ ہم پہلے ثابت کر چکے ہیں کہ سُنّت سے مُراد ایک مثالی نمونۂ عمل ہے۔ اِس لئے رسُول اللہ کا اخلاقی اور معیاری نمونۂ عمل " سُنّتِ رسُول " کی اصطلاح میں آپ کی حیات میں یا بعد میں ڈھلا، اہمیت نہیں رکھتا۔ جبکہ یہ تصوّر ابتدائے اسلام ہی سے اُمّتِ مسلمہ میں جاری و ساری تھا۔ مزید برآں رسُول اللہ کا مثالی نمونۂ عمل اخلاقی اور دینی اصول پر مشتمل تھا اور اُن کا در پیش تاریخی واقعات پر اطلاق اصولوں کی طرح اَبدی نہ تھا۔" !

## تبصرہ :

سُنّت کی جو تعریف و توضیح اس عبارت سے عیاں ہو رہی ہے وُہ تحریفِ دین کی کوشش کی ایک واضح